

تفسیرات افواہ



**Tibbi Books for
Atiba Karam**

پروفیسر۔ معتمد علی الرحمن

پبلشر
انجمن ترقی اردو (ہند)
علی گڑھ



**Tibbi Books for
Atiba Karam**

قیمت

A.T.U. (HIND)

REVISED PRICE Rs. 5.00

بیداری پریس مالیگاؤن (نامک)



یہ رسالہ ۳۸ کے رسالہ سائنس میں نفسیات افواہ
 پر ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس میں پروفیسر جوالا پرشاد
 نے پٹنہ کے مشہور زلزلے کے تعلق سے افواہ کی نفسیات
 پر بحث کی ہے۔ موجودہ مضمون پروفیسر برنارڈ ہارٹ کے
 مضمون کا ترجمہ ہے، جس میں انہوں نے جنگ عظیم
 کے تعلق سے اس موضوع پر بحث کی ہے۔ اس مضمون
 میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ افواہ کے ضمن میں شہادت
 کی نفسیات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اسکے بعد

تمہید

اکتوبر سنہ ۳۸ کے رسالہ سائنس میں نفسیات افواہ
 پر ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اس میں پروفیسر جوالا پرشاد
 نے پٹنہ کے مشہور زلزلے کے تعلق سے افواہ کی نفسیات
 پر بحث کی ہے۔ موجودہ مضمون پروفیسر برنارڈ ہارٹ کے
 مضمون کا ترجمہ ہے، جس میں انہوں نے جنگ عظیم
 کے تعلق سے اس موضوع پر بحث کی ہے۔ اس مضمون
 میں ایک اور خوبی یہ ہے کہ افواہ کے ضمن میں شہادت
 کی نفسیات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اسکے بعد

مجموعوں کے نفسی خصائص کو واضح کیا ہے۔ اس طرح یہ
 مضمون پروفیسر جوالا پرشاد کے مضمون کی بہ نسبت زیادہ
 جامع ہے، اور اسمیں معلومات بھی اس سے کہیں زیادہ
 ہیں، گو یہ کہنا پڑتا ہے کہ نفس نفسیاتِ افواہ کی تحصیل
 میں پروفیسر پرشاد پروفیسر ہارٹ پر فائق ہیں۔ اسکا اندازہ
 قارئین کو بطورِ خود ہوگا۔ بہر حال یہ مضمون بھی
 بہت دلچسپ ہے۔

نفسیات افواہ

ویسے تو افواہ کا موضوع نفسیات کے ماہر کے لئے ہر زمانے میں دلچسپ رہا ہے، لیکن آج کل (۱۹۱۶) اسکی اہمیت اور دلچسپی میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے۔ جنگ عظیم کے زمانے کی افواہوں سے اتنا تو ثابت ہو گیا ہے کہ واقعات کے متعلق انسان کی شہادت قابلِ اعتبار نہیں ہوتی۔ ان افواہوں کی اگر تحقیق کی جائے، تو بہت سی مفید باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ آئندہ اوراق میں ان نتیجوں کی طرف اشارہ کیا جائیگا، جن تک نفسیات پچھلے زمانے میں پہنچی ہے۔ اسکے موجودہ زمانے کے مسئلوں کیلئے ان نتیجوں کی اہمیت کو واضح کیا جائیگا۔

افواہ ایک مرکب واقعہ ہے۔ اس میں ایک فرد دوسرے کو، دوسرا تیسرے کو، تیسرا چوتھے کو، وغیرہ، اس واقعے کی اطلاع دیتا ہے، یہاں تک کہ یہ خبر عام ہو جاتی ہے۔ عارضی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ شاہدوں کے ایک سلسلے سے پیدا ہوتی ہے جس میں ہر ایک شاہد اس بیان کی

شہادت دیتا ہے جسکو اس نے اس سلسلے میں اپنے پیش رو سے حاصل کیا ہے (۱) اسکا مطلب یہ ہے کہ افواہ کا قابل اعتبار ہونا، اس بیان کی صحت پر موقوف ہے، جو ایک شاہد سے دوسرے تک، سلسلہ وار منتقل ہوتا ہے، اور آخر کار اس کا دار و مدار اس اطلاع کی صحت پر ہوتا ہے، جو اس سلسلے کے سب سے پہلے رکن نے ہم پہنچائی تھی، کیوں کہ فرض یہ کیا جاتا ہے کہ اس نے اس واقعہ کو یا تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، یا اسکو متعلق خود اپنی کانوں سے سنا ہے کسی واقعے کے سب سے پہلو شاہد کے اس بیان کو قانون کی اصطلاح میں » شہادت « کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ افواہ کے پیچیدہ مسئلو پر غور کرنے سے قبل شہادت کی نفسیات کو واضح کرنا ضروری ہے۔

شہادت کی سب سے پہلی باقاعدہ تحقیق نفسیات کے ماہروں، یا قانون سازوں، نے نہیں، بلکہ مؤرخوں نے کی۔ لیکن جس طریقے سے مؤرخ شہادت کی قیمت کا اندازہ کیا کرتے تھے، ان میں زمانہ حال کے محققوں نے

(۱) اس تعریف کی غرضی نوعیت پر زور دینا لازمی ہے۔ آگے چل کر ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ نامکمل ہے، اور یہ کہ اسمیں ترمیم کی بہت گنجائش ہے۔ [مصنف]

بہت تبدیلی کر دی ہے۔ پچھلے زمانے میں مصنف کی اخلاقی حالت اس کے بیانات کی صحت کی ضامن سمجھی جاتی تھی یعنی اگر وہ نیک اور دیانت دار مشہور تھا، تو اس کے تمام بیانات صحیح مان لئے جاتے تھے۔ اس طرح شہادت کی صحت کا اندازہ کرنے کیلئے وہ تحقیق کرتے تھے کہ ان کا شاہد دیانت دار ہے یا بد دیانت، اور یہ کہ وہ سچ بول رہا ہے، یا کسی خاص غرض کو حاصل کرنے کیلئے وہ اپنے پڑھنے والوں کو جان بوجھ کر گم راہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اگر اس تحقیق کا فیصلہ شاہد کے حق میں ہوتا تھا تو اسکی تمام شہادت قبول کر لی جاتی تھی۔ لیکن اب آج کل ہر بیان کی صحت کا الگ الگ اندازہ کیا جاتا ہے۔ اب بھی شاہد کی اخلاقی حالت کو اہم مانا جاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ہر اس امکانی حالت کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے، جس کا زیر غور بیان پر اثر پڑ سکتا ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ شاہد کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا، شاہد اس واقعے کے واقع ہونے کے کتنے عرصے بعد اس کو بیان کر رہا ہے، اس کے عقیدے اور خیالات کیا ہیں،

وہ کس پیشے، مذہب، اور سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، وقس علیٰ هذا یہ لوگ صرف یہی تحقیق نہیں کرتے کہ شاہد جان بوجہ کر جھوٹ نہیں بول رہا، بلکہ اس کے علاوہ وہ اس کا بھی لحاظ رکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا عوامل کے زیر اثر وہ کہاں تک نادانستہ طور پر واقعات کو بدل رہا ہے۔ شہادت کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا فیصلہ کرنے کیلئے مؤرخوں کو جن اصول اور قواعد کی پابندی کرنی پڑتی ہے، ان کو منضبط کرنے کی آج کل کوشش کی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق بہت سی کتابیں موجود ہیں، جن میں سے ارنسٹ برنہائم کی تصنیفات خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔

تفسیلات کے پیشہ ور ماہرین میں سے بنے (۱) سب سے پہلا شخص ہے، جس نے شہادت کی تفسیلات کی طرف قدم بڑھایا۔ اس نے اپنی تصنیف *La Suggestibilite* (۱۹۰۰) میں "شہادت کے عملی علم کو پیدا کرنے کے فائدے" کی طرف توجہ دلائی۔ برسلا کے سٹرن (۲) نے

اس تجربہ کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ چنانچہ اس نے
 اختباری نفسیات (۱) کے ایک سکول کی بنیاد ڈالی، جس
 میں اس نے شہادت کی نفسیات کی تحقیق شروع کی۔
 یہ تحقیق زیادہ تر اختباری تھی، اور اسمیں بہت محنت صرف
 کی گئی۔ یہاں اس تحقیق کے نتیجوں کو کما حقہ بیان نہیں
 کیا جاسکتا، تاہم اس کے عام طریقوں کا بیان، اور بڑے
 بڑے نتیجوں کے خلاصے کا ذکر، یقیناً دلچسپ ہوگا۔
 ان محققوں کا طریقہ یہ تھا کہ ایک پہلو سے مقرر
 شدہ تجربے کو بہت سے افراد کے سامنے پیش کیا
 جاتا تھا اسکے بعد یہ فرد اس تجربے کو بیان کرتے تھے
 ان بیانات کا مقابلہ اصلی تجربے سے کر کے نتیجوں کی
 قیمت کا اندازہ ہوتا تھا۔ مثلاً بہت سے افراد کو ایک
 خاص وقت (مثلاً پانچ منٹ) تک ایک تصویر دکھائی جاتی
 تھی۔ اس کے کچھ مدت بعد ہر فرد سے اس تصویر
 کی نوعیت اور تفصیل کے متعلق شہادت لی جاتی تھی۔ تصویر
 کو دیکھنے اور اس کو بیان کرنے کا درمیانی وقفہ

صفر سے لے کر کئی ہفتوں تک ہوتا تھا، یہ بیان دو
 مختلف طریقوں سے لیا جاتا تھا، ایک طریقہ تو بیانی تھا
 اور دوسرا استفہامی۔ پہلی طریقے میں تو اس فرد سے کہا
 جاتا تھا کہ جو کچھ اس نے اس تصویر میں دیکھا ہے،
 اس کو امکانی تفصیل سے لکھ دے۔ دوسرے طریقے
 میں اس سے چند سوالات پوچھے جاتے تھے۔ یہ سوالات
 اس تصویر کی تمام تفصیلات پر حاوی ہوتے۔ مثلاً اس
 سے دریافت کیا جاتا تھا کہ »کیا تصویر میں کوئی جانور
 تھے؟« »ان کا رنگ کیا تھا؟« یہ سوالات بہت
 ہوشیاری کے ساتھ تیار کئے جاتے تھے۔ یہ دو طرح کے
 ہوتے تھے۔ بعض میں تو جواب کی طرف اشارہ نہ ہوتا
 تھا، مثلاً یہ کہ »تصویر کی لمبائی چوڑائی کیا تھی؟« اور
 بعض میں جواب کی طرف اشارہ ہوتا تھا۔ مثلاً یہ کہ
 »کیا مرد خاک کی کوٹ پہنے ہوئے تھا؟« استفہامی طریقہ
 بالکل وہی ہے، جس کو قانونی عدالتوں میں »جرح«
 کہتے ہیں، ان دونوں طریقوں سے جو تفصیلات اس
 خاص واقعے کے متعلق حاصل ہوتی تھیں ان کو، ان کے

معتبر ہونے کے متعلق شاہد کے یقین کے مطابق ، مختلف درجوں میں تقسیم کیا جاتا تھا ۔ اس یقین کے مختلف درجہ یہ ہوتے ہیں : کلی عدم یقین ، شبہ ، یقین ، اور عین الیقین ۔ آخر الذکر سے ہماری مراد یہ ہے کہ شاہد اس کی صحت پر قسم کھانے کے لئے تیار ہوتا ہے ۔ ان اختباری طریقوں سے جو تحقیق شہادت کی ہوئی ، اس کا سب سے اہم عام نتیجہ یہ ہوا کہ شہادت کے متعلق دو عام عقیدوں کا قلع قمع ہو گیا ۔ یعنی یہ کہ (۱) جو شہادت مکمل علم کے بعد ، اور دیانت داری کے ساتھ دی جاتی ہے ، وہ بالکل صحیح ہوتی ہے ، اور (۲) جو شہادت جھوٹی ثابت ہوتی ہے ، اس میں جان بوجہ کر جھوٹ بولا جاتا ہے ، یا کم از کم اس میں بے پرواہی برتی جاتی ہے ۔ اختبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل صحیح اطلاعات استثنائات ہوتی ہیں ، نہ کہ اصول ، خواہ یہ اطلاعات موزوں ترین حالات میں لائق ترین مشاہدہ کرنے والوں نے ہی بہم پہنچائی ہوں ، پھر بہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر ہم ان اطلاعات کی صرف ان تفصیلات کو پیش نظر رکھیں ،

جن کی صحت کے متعلق شاہد کو پورا یقین ہے، تب بھی ہمارا یہ قول صحیح رہتا ہے، بوریست نے اپنی تحقیق میں صرف دو فی صد ایسی اطلاعات پائیں، جن میں کوئی غلطی نہ تھی۔ استفہامی طریقے سے حاصل کی ہوئی شہادت میں اوسط پچاس فی صد تھی۔ اگر جواب کی طرف اشارہ کرنے والے سوالات اختیار نہیں کئے جاتے، تو کسی واقعے کی جن تفصیلات پر شاہد کو پورا یقین ہوتا ہے، ان میں صرف ۷۵ فی صد واقعہ صحیح ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شاہد اپنے بیانات کی صحت پر قسم کھانے کے لئے تیار ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بیانات لازماً صحیح ہی ہیں، گو اتنا ضرور ہے کہ ایسی شہادتوں میں غلطی کا امکان دس فی صد تک ہو جا سکتا ہے۔

ان تحقیقات کے نتیجوں کے تفصیلی معاینے سے بہت سی دل چسپ باتیں معلوم ہوتی ہیں، ان میں سے چند یہاں بیان کی جاتی ہیں۔ یعنی یہ کہ واقعے کے مشاہدے اور اس کے متعلق شہادت دینے کے درمیانی وقت کے بڑھا دینے سے اس واقعے کی تفصیلات بھی ذہن سے محو ہو

جاتی ہیں، اور ان کی صحت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے، لیکن ان کی صحت کے متعلق شاہد کے یقین میں کوئی کمی نہیں آتی۔ یہ ویسا کا ویسا ہی رہتا ہے۔ اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ شہادت پر شاہد کا یقین اور اس کی صحت پر شاہد کی قسم کھانے کی تیاری خود شاہد کی افتاد طبیعت پر موقوف ہوتے ہیں، نہ کہ یاد کی تازگی پر۔ ان اختبارات سے دوسری دلچسپ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر بیانی طریقے کی بجائے استفہامی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، تو تفصیلات میں زیادتی، لیکن صحت میں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی شاہد اس واقعے کے متعلق بہت سی باتیں بیان کرتا ہے، لیکن ان تمام باتوں میں سے صحیح بہت کم ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اس بات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ان سوالات میں جواب کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ یہ اثر جوانوں میں بھی پایا جاتا ہے، اور بچوں میں تو یہ بہت شدید ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بچوں کی شہادت پر یقین کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ان کو بہت کم تفصیلات یاد رہتی ہیں، ان میں صحت بھی

بہت کم ہوتی ہے۔ اور ان کو خود اپنی شہادت پر یقین
نسبہً بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ان تمام باتوں سے یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ یہ
اختباری نتیجے بہت زیادہ عملی قیمت رکھتے ہیں، اور
یہ کہ ان سے بعض ایسی بنیادی باتیں قطعی طور پر ثابت
ہوتی ہیں، جو شہادت کی نفسیات کے لئے اساسی اہمیت
رکھتی ہیں۔ لیکن سٹرن اور اس کے ہم کار اس سے آگے نہ
بڑھے۔ ان کی تحقیق سے ہمیں ان قوتوں کا علم نہیں ہوتا،
جو ان کے بیان کردہ واقعات کی ذمہ دار ہیں۔ ان کی تصانیف
میں ہمیں کوئی ایسی بات نہیں ملتی، جس سے ہماری سمجھ
میں آسکے کہ ایسا لازماً کیوں ہوتا ہے۔

محققین کی ایک تیسری جماعت نے ان باتوں کو واضح
کیا ہے۔ یہ جماعت ایک مختلف زاویہ نگاہ سے، اور
ایک عملی غایت کو پیش نظر رکھ کر اس مسئلے پر غور
کرتی ہے۔ یہ جماعت قانون سازوں کی ہے۔ ظاہر ہے کہ
شہادت کی نفسیات قانونی شخص کے لئے بہت دلچسپ ہونی
چاہئے۔ گزشتہ دو صدیوں میں قانون سازوں نے ثابت کیا

ہے کہ وہ ان اصول سے واقف تھے، جن کو آخر کار سٹرن اور برسلا کے سکول نے منضبط کیا۔ جیری می بنتھم نے اس مسئلے کی خوب چھان بین کی ہے، اور بعد کے قانونی مصنفوں نے جرح کے سوالات کی مفروضہ دروغ حلفیوں، اور ان کے خطرات پر بہت بحث کی ہے۔ لیکن شہادت کی نفسیات پر قانونی نقطہ نظر سے سب سے زیادہ جامع اور تفصیلی تصنیف مشہور ماہر جرائم، ہانس گروس [۱] کی ہے۔

گروس نے واضح کیا ہے کہ شہادت کی نفسیات میں حافظے کے عمل اور اس عمل کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کے سوال کے علاوہ ادراک اور ادراک کئے گئے واقعے کو محفوظ رکھنے کے اعمال بھی شامل ہیں۔ موخر الذکر اعمال اس حادثے کے وقت واقع ہوتے ہیں، جس کی اطلاع دی جا رہی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مقدم الذکر دو اعمال کی بہ نسبت موخر الذکر دو اعمال پر زیادہ زور دیا جانا چاہئے۔ اس نے مشاہدہ کرنے والے کے افتاد مزاج کو بہت اہمیت

HANS GROOS [۱]



Tibbi Books for
Atiba Karam

دی ہے۔ اس نے ثابت کیا ہے کہ مختلف مشاہدہ کرنے والے ایک ہی واقعے کا مختلف صورتوں میں ادراک کرتے ہیں (۱) ایک شخص جو کچھ دیکھتا ہے، اس کا انحصار صرف اسی چیز پر نہیں ہوتا، جو اس وقت اس کے سامنے ہے۔ اس کا انحصار ادراک کی اضافہ جات پر بھی ہوتا ہے، جو اس کے گذشتہ علم اور دلچسپیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ بڑھتی ہوئی چیز کی لکڑی دکھائی دیتی ہے، اور پڑھنے لکھنے والے شخص کو پڑھنے لکھنے کیلئے اس کی موزونیت یعنی ہر شخص ہر چیز کو اپنے گذشتہ تجربات کی روشنی میں دیکھتا ہے۔ وہ ان اجزا پر زیادہ زور دیتا ہے، جو اس کیلئے دلچسپ ہیں، اور باقیوں کو وہ نظر انداز کر جاتا ہے۔ اسی سے یہ

[۱] گروس نے واضح کیا ہے کہ ایک خاص وقت میں جو واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے اس کو ہم اس طرح دیکھتے ہیں کہ مختلف لمحوں کے واقعات کو ملا کر ایک مرکب تصویر بنالیتی ہیں۔ مختلف مشاہدہ کرنے والے اس مرکب کو مختلف طریقوں سے بناتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی واقعہ خارجی حیثیت سے اب ج د.... پر مشتمل ہے تو ہوسکتا ہے کہ ایک مشاہدہ کرنے والا اب ج، درس، ش ص ط.... کا مشاہدہ کرے، دوسرا ب ج د، اس ش، ص ط ظ.... کا، اور تیسرے کو بعض چیزیں دکھائی نہ دیں، اور وہ ا ج د، رش ص.... کا مشاہدہ کرے۔ یہ خیال زمانہ حال کے ماہرین نفسیات کی عقلی صورت، کا مقابل ہے۔ [مصنف]

معمم حل ہوتا ہے کہ جو شخص ایک چیز کے متعلق کچھ نہیں جانتا، وہ اس چیز کے ماہر کے مقابلے میں اس کے متعلق بہتر شہادت دے سکتا ہے۔

ایک اور قانون داں شخص ہائل برگ (۱) نے بعض اور قیمتی باتیں بیان کی ہیں۔ اس نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کسی واقعے کے مشاہدے، اور اس کے متعلق شہادت کے درمیانی وقت میں جو اور حادثات ہوتے ہیں، انکا اثر بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے واضح کیا ہے کہ اگر کوئی واقعہ بار بار یاد کیا جاتا ہے، اور اس پر اکثر بحث کی جاتی ہے، تو اس کی صحت کم از کم اتنی ہی کم ہو جاتی ہے، جتنی کہ اس کی اس وقت ہوتی، اگر اس کو کچھ دنوں کے لئے بھلا دیا جاتا۔ صحت کی یہ کمی من جملہ اور باتوں کے اس بات کا نتیجہ ہوتی ہے کہ اسطرح یاد کرتے رہنے سے شاہد بہت سی باتیں تو خود اپنی طرف سے جوڑ لیتا ہے اور بہت سی باتیں باہر سے اس میں مل جاتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ فوجداری کے طول کھینچنے والے مقدموں

کے آخری درجوں پر بہت سی جھوٹی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔ ہائل برگ نے اس کی توجیہ اپنے اسی اصول سے کی ہے۔ اس کے علاوہ ہائل برگ نے ہمیں بتایا ہے کہ شہادت کے فاسد ہو جانے کے نفسیاتی قوانین کی تلاش ہم کو کہاں کرنی چاہئے۔ اس کا خیال ہے کہ کمرۂ عدالت کی شان و شوکت، عدالتی کارروائی کی متانت، شاہد کا یہ احساس کہ اس وقت وہ بہت اہم ہے، اور یہ کہ اس کا ایک لفظ کسی شخص کی تقدیر کا حامل ہے، اور اس کے اس احساس سے پیدا ہونے والی نمائی۔ یہ تمام اسباب شہادت کو بگاڑنے کے لئے کافی ہیں۔

سٹرن نے اپنی بیوی کے ساتھ مل کر »بچے کی اوائل عمر میں حافظہ اور شہادت کے« عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے اصل میں تو خود اپنے بچے کے ذہنی ارتقا کو واضح کیا ہے۔ لیکن اسی ضمن میں انہوں نے بہت سی دلچسپ باتیں بیان کی ہیں۔ جن باتوں کا یہاں ہم خاص طور پر ذکر کرنا چاہتے ہیں، وہ اس باب میں پائی جاتی ہیں، جس کا عنوان »بچوں میں جھوٹی شہادت« ہے۔

اس باب میں انہوں نے اس خیال پر بحث کی ہے کہ جھوٹ اور حافظے کے فساد کے بین بین ایک اور چیز ہوتی ہے، جس کو انہوں نے »نقلی جھوٹ [۱]« کہا ہے۔ ان »نقلی جھوٹوں« کی عام ترین صورت یہ ہے کہ بچہ ایک من گھڑت قصہ اس طرح سناتا ہے گویا یہ واقعہ ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک بچے نے چڑیا خانے کی سیر کے بعد آ کر بیان کیا کہ اس نے ریچھ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ جب اس کے اس قول کی صحت پر شبہ کیا گیا تو اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ اس چیز کو ہم فنطاسیا [۲] کہتے ہیں۔ جوان آدمیوں کے خوابہائے بیداری [۳] میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

بچہ فنطاسیا اور حقیقت میں فرق نہیں کرتا۔ وہ اپنی گزشتہ زندگی کے خیالی واقعات کو اسی طرح مزے لی لے کر بیان

(۱) PSEUDO-LIES (۲) یہ PHANTASY کے لئے ابن سینا کی اصطلاح ہے۔ انگریزی میں اس لفظ کے معنی تقریباً وہم کے ہیں۔ لیکن ایک طرف تو وہم کا لفظ دوسرے موقعوں پر استعمال ہوتا ہے، اور دوسری طرف اس سے انگریزی لفظ کا پورا مفہوم بھی ادا نہیں ہوتا۔ اسی لئے ابن سینا کی اصطلاح اختیار کی گئی [مترجم]

DAY-DREAMS [۳]

کرتا ہے ، جس طرح وہ زمانہ حال کے خیالی واقعات بیان کرتا ہے ۔ » بچہ جس طرح حقیقت اور وہم میں فرق نہیں کرتا ، اسی طرح وہ سچ اور جھوٹ میں تمیز نہیں کرتا ۔ کرامر (۱) نے مجنوں کی بھی اسی ناقابلیت کی بہت سی مثالیں بیان کی ہیں ۔

جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں ، سٹرن نے بچے کی ان خصوصیات کا ، جوانوں کی شہادت کی نفسیات پر ، اطلاق کرنے کی کوشش نہیں کی ۔ اس کو یہ خیال بھی نہ آیا کہ جوانوں میں بھی بالکل وہی عوامل کام کرتے ہیں ، جو بچوں میں کیا کرتے ہیں ، اگرچہ ان میں انکا عمل اتنا نمایاں نہیں ہوتا ، جتنا کہ بچوں میں ہوا کرتا ہے ۔

شہادت کی نفسیات میں فطاسیا کی کار فرمائی پر ارنسٹ برن ہائم نے بھی بحث کی ہے ۔ اس کے علاوہ اس مصنف نے یہ بھی دکھایا ہے کہ مندرجہ بالا عوامل اور متھیا [۱] اور بہادروں کے فرضی قصوں کو پیدا کرنے والے عوامل میں بہت قریب کا تعلق ہے ۔ اس مسئلے کی طرف ہم بعد میں

رجوع کریں گے۔ برن ہائم نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ شاہد کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہر فعل کا تشفی بخش محرک بیان کرے، اور قصہ کوتاہ کرے۔ ان کا بھی شہادت پر اثر پڑتا ہے۔ جب ہم شہادت کے مسئلے کو چھوڑ کر افواہ کے مسئلے کی طرف توجہ کرتے ہیں، تو برن ہائم کا یہ خیال اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔

اوپر ہم نے شہادت کے متعلق بہت سی باتیں بیان کی ہیں، جن کو مختلف محققین نے بیان کیا ہے۔ اب اگر ہم ان سب کی پر تال کرنے، اور ان کو یک جا جمع کرنے، کی کوشش کرتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کوشش میں جدید نفسیات کی بعض اصطلاحات، اور خصوصیت کے ساتھ مولف کی [۱] اصطلاح، کو استعمال کرنے سے ہمارا یہ کام بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اسی ضمن میں ہم ان آلات کو بھی معلوم کر لیتے ہیں، جن سے وہ مظاہر پیدا ہوتے ہیں، جن کا وجود محققین نے ثابت کیا ہے۔

مؤلف کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ یہ باہم تعلق رکھنے والے خیالات کا ایک ایسا نظام ہے، جس کے ساتھ ایک تاثری کیفیت ہوتی ہے، اور جو شعور میں ایک خاص سمت رکھنے والے سلسلہ خیالات کو پیدا کرتا ہے [۱]۔ ایک بڑھتی اور ایک فلسفی ایک ہی میز کو دیکھتے ہیں، بڑھتی تو سوچنا شروع کرتا ہے کہ اس کی لکڑی کیسی ہے، اس کی بناوٹ کیسی ہے، وغیرہ۔ فلسفی سوچتا ہے کہ یہ عالم خارجی میں موجود ہے، یا صرف عالم ذہنی میں وغیرہ۔ یعنی ایک ہی چیز دو مختلف افراد کے ذہن میں دو مختلف نظامات خیالات پیدا کرتی ہے۔

[۱] مؤلف کی مندرجہ بالا تعریف بہت وسیع ہے آج کل اس کو اس قدر وسیع معنوں میں استعمال نہیں کیا جاتا۔ اب اس کو خیالات کے ان نظامات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جو دبا لئے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اب یہ اصطلاح غیر معمولی اور فاسد مظاہر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جو نظامات کہ اس طرح دبائے نہیں جاتے، ان کے لئے عاطفہ [SENTIMENT]، ان معنوں میں، جن میں آج کل کی نفسیات میں یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے [کی اصطلاح کافی ہو لیکن ہم اس لفظ کو اس نظام خیالات کے لئے ہی استعمال کریں گے، جس میں مندرجہ بالا خصوصیات پائی جاتی ہیں، خواہ یہ نظام دبا گیا ہو، یا نہ دبا گیا ہو۔ اس کے علاوہ اے۔ جی ٹینسلے [A.G. TANSLEY] نے ایک مضمون میں بتایا ہے کہ یونگ جو اس اصطلاح کا موجد ہے۔ اس کو ان ہی وسیع معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ [مصنف]

اس کی توجیہ اس طرح کی جائیگی کہ پہلے میں نظام خیالات کا رخ نجاری مولف کا نتیجہ ہے ، اور دوسرے میں فلسفی مولف کا . اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مولف اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ اس فرد کو مطلق خبر نہیں ہوتی کہ اس کا فکریہ خاص رخ اختیار کر رہا ہے . بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ فرد یہ سمجھے کہ جن نتیجوں پر وہ پہنچا ہے ، اس کے وجوہ کچھ اور ہی ہیں . چنانچہ ہوسکتا ہے کہ بڑھئی اور فلسفی ، دونوں ، یہی سمجھیں کہ ان کے خیالات اس خاص چیز پر غور کرنے کے منطقی نتیجہ ہیں یہ گویا خود فریبی کا عمل ہے ، جس کی وجہ سے ایک غلط عقیدہ بہ ظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے . اس خود فریبی کو اصطلاح میں « تصویب [۱] » کہتے ہیں . مولف کا یہ تخیل عام نفسیات اور نفسیات فاسدہ میں بہت بار آور ثابت ہوا ہے ؛ اور جو نفسی اعمال کے شہادت میں داخل ہوتے ہیں ، ان کی تحقیق میں ہم کو اس سے بہت مدد ملتی ہے . ان ذہنی اعمال کو ذیل کے

تین درجوں میں تقسیم کرنے سے بحث میں سہولت پیدا ہوگی : (۱) ادراک ، (۲) حفظ ، اور (۳) احیا ۔ اب ہم دیکھیں گے کہ مولفات کے عمل سے ان میں سے ہر ایک میں کیا کیا تغیرات اور اثرات پیدا ہوتے ہیں ۔

(۱) ادراک — نفسیات میں ابجد خواں بھی جانتا ہے کہ ہر ادراک میں ایک داخلی عنصر بھی شامل ہوتا ہے ۔ جب ہم نارنگی کو دیکھتے ہیں ، تو ہم کو اس کی صرف رنگت ہی کا احساس نہیں ہوتا ، حالانکہ صرف یہی وہ چیز ہے ، جو اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے فی الواقع موجود ہے ۔ ہم کو اس کی مٹھاس اور ٹھنڈک کا بھی احساس ہوتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ احساسات ہمارے گذشتہ تجربے سے آتے ہیں ۔ ادراک میں اس داخلی عنصر کے علاوہ ایک اور بھی داخلی عنصر ہوا کرتا ہے ۔ جسکی وجہ سے ادراک احساسات کا بے جان مجموعہ نہیں رہ جاتا ، بلکہ انتخابی ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ جو چیزیں کہ ہمارے حواس کے سامنے ہوتی ہیں ۔ ان میں سے ہم ان چیزوں کا انتخاب کر لیتے ہیں ، جو کسی وجہ سے ہمارے لئے

دلچسپ ہیں۔ لہذا ہم صرف ان چیزوں کا ادراک کرتے ہیں، جو دلچسپ ہوتی ہیں۔ حجامت بنانے کیلئے ہم آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، تو ہم کو سوائے رخساروں کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا، اور بال سنوارنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو سر کے بالوں کے سوا باقی تمام چہرہ غائب ہو جاتا ہے۔ اس کی علاوہ مولفات کا اثر ایک اثر ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ادراک نہ صرف انتخابی ہو جاتا ہے، بلکہ اس کی شکل بھی بگڑ جاتی ہے۔ اس طرح ہمارا ادراک موجودہ اشیاء کی مطابق نہیں رہتا، ہم صرف اس چیز کا ادراک کرتے ہیں، جس کا ہم کو انتظار ہوتا ہے۔ ہمارے کمرے میں ایک شخص داخل ہوتا ہے، تو ہم اس کو اپنا وہ دوست سمجھتے ہیں۔ جس کی ہم منتظر ہیں۔ شکاری کے سامنے سے بلی بھاگتی ہے، تو وہ اس کو شیر سمجھتا ہے۔ جنگ کے زمانے میں روسیوں کے متعلق افواہوں کی اسی بنا پر توجیہ ہو سکتی ہے [۱]۔ خود مجھ سے ایک سپاہی نے کہا کہ اس

[۱] سنہ ۱۹۱۴ء کے اواخر میں ایک عام افواہ تھی کہ برطانیہ کے شمالی حصے میں روسی فوج اتری ہے، جو نہایت تیزی کے ساتھ انگلستان سے گذر رہی ہے، تاکہ مغربی محاذ پر دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر بے بنیاد تھی۔

نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ روسی سپاہیوں سے لدی ہوئی ریلیں اس مقام پر گذری ہیں، جہاں وہ تعینات تھا۔ چنانچہ اس نے ان سپاہیوں کے حلے اور ان کی عجیب وردیوں کا حال تک مجھ سے بیان کیا۔ مولفات کے اثرات جذباتی قوت کے تناسب سے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شدید جذبات طاری ہونے کے وقت ادراکات کے بگڑ جانے کا بہت اندیشہ ہوتا ہے۔ لہذا کسی حملے یا لڑائی کے متعلق عینی شہادت کو جانچنے کے وقت ہم کو اس خطرے کا خیال رکھنا چاہئے۔

(۲) حفظ : اس میں بعض اور قوتیں ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے ادراکات بگڑ جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو ہم دیکھے اور سنے ہوئے واقعات کے بعض حصے بھول جاتے ہیں، جس کی وجہ سے ان واقعات کی صورت اور نوعیت ہی بدل جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس حادثے کے مختلف حصوں میں تقدیم و تاخیر کا فرق پڑ جاتا ہے، یا یہ بھی ممکن ہے کہ خود ان حصوں کی شکل بدل جائے، یہ ایک عام تجربہ ہے کہ ہم اپنی خوش

حالی کے دنوں میں اپنی برے دن بھول جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب مولفات ہی کے زیر اثر ہوا کرتا ہے۔

(۳) احیا: اس میں پھر اور عوامل ہوتے ہیں۔ جو ادراک میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو سوال کرنے والے کی شخصیت اور سوال کی نوعیت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ رعب دار شخص کے سامنے جا کر ہم سٹی پٹی بھول جاتے ہیں۔ جن حالات میں کہ شاہد شہادت دیتا ہے۔ ان کا بھی شہادت پر بہت اثر پڑتا ہے۔ ماہرین قانون نے ان اثرات کی خوب تحقیق کی ہے۔ جج کا ضرورت سے زیادہ متین چہرہ، چپراسیوں کی زرق برق وردیاں، کمرہ عدالت کا ساز و سامان، شاہد کو خود اپنی اہمیت کا احساس، وغیرہ، سے بھی شہادت میں فرق پڑ جاتا ہے۔ ان حالات میں جو مولفات کام کرتے ہیں۔ وہ اثبات ذات کے مجموعے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی سے شاہد میں موثر شہادت دینے، قصہ کوتاہ کرنے، چھوٹی اور بھولی ہوئی باتوں کو، ایجاد کرنے، وغیرہ کا میلان پیدا ہوتا ہے۔

ان موخر الذکر عوامل کے قریب قریب وہ عامل ہے ، جسے فسطاسیا کہتے ہیں ۔ اس کا اثر حفظ اور احیا ، دونوں پر پڑتا ہے ۔ بعض اوقات موافقات حقیقی دنیا پر اثر کر کے اپنی غایات کو حاصل کرنے کی بجائے ذہن میں خیالات و تمثالات کے ایسے سلسلے قائم کر کے جزئی تشفی حاصل کرتے ہیں ، جن میں ان موافقات کی غایات آسانی کے ساتھ متحقق ہوتی ہیں ۔ ایسی ہی صورتوں میں فسطاسیا کی پیدائش ہوتی ہے ۔ اردو میں شیخ چلی کے قصے اس کی بہترین مثالیں ہیں ۔ بچے پر سٹرن کے جس مضمون کا اس سے قبل حوالہ دیا جا چکا ہے ، اس میں سٹرن نے بچوں کی بگڑی ہوئی شہادت میں فسطاسیا کی اہمیت کو پوری طرح تسلیم کیا ہے ۔ لیکن اس میں شبہ نہ ہونا چاہئے کہ یہ عنصر جوانوں میں بھی اساسی اہمیت رکھتا ہے گو ان میں اس کا کام اتنا صریحی اور غیر محدود نہیں ہوتا ، جتنا کہ بچوں میں ہوتا ہے ۔ آگڈن نے بتایا ہے کہ فسطاسیا اور حافظے میں صرف مشمول کی معین خصوصیت ہی کا فرق نہیں ہوتا ، کیونکہ بذات خود ان میں تمیز

نہیں کی جا سکتی۔۔ اصلی عملی فرق پیش نہاد مسئلے پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مولفات ذہن کو خاص سمتوں میں ڈالنے میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ لہذا اب یہ بہ آسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ان مولفات کی وجہ سے گزشتہ واقعات کی یاد میں خیالی اور وہمی عناصر اس طرح داخل ہو جا سکتے ہیں کہ وہ فرد اس تحریف کو معلوم تک نہیں کر سکتا۔ قانونی کارروائیوں میں جھوٹے اعترافات اور سنسنی پیدا کرنے والے مقدمات جھوٹی شہادتیں اس کی مثالیں ہیں۔ اوائل عمر کے تجربات کی یاد میں بھی حقیقی واقعات، اور ایسی تحریفات بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ بھی اسی کا نتیجہ ہے۔

شہادت کو مسخ کرنے میں مولفات کی کار فرمائی کو بہتر طریقے سے سمجھنے کے لئے مریضوں کی مثالوں پر بھی غور کرنا مفید ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ان مثالوں میں یہ فسادات زیادہ صریحی اور شدید ہوں گے۔ لیکن اسی شدت سے ان کی اصلی نوعیت روشن ہوگی۔ اسی سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ صحیح اور تندرست افراد میں بھی یہی

تمام عوامل ، گو کم شدید صورت میں ، موجود ہوتے ہیں ۔
یہاں پر پھر ہم شہادت کے نفسیاتی اعمال کو ادراک ،
حفظ ، اور احیا میں تقسیم کر کے ان میں سے ہر ایک
کی مرضیاتی صورت کا معائنہ کریں گے ۔

اوہام ، التباسات اور بعض مغالطات ، مریضوں کے
فسادات ادراک کی مثالیں ہیں ۔ اب آجکل ان کو عام طور
پر ایک داخلی عامل سے پیدا ہونے والے فساد ادراک
کی مثالیں مانا جاتا ہے ، اور کم از کم بعض مثالوں میں یہ
داخلی عامل مولفات کا نتیجہ ہوتا ہے ۔ جن کی وجہ سے
بعض ذہنی اعمال شعور کی بڑی رو سے علیحدہ ہو کر قائم
بالذات صورت اختیار کر لیتے ہیں ۔

حفظ اور احیا کی مرضیاتی شکلوں میں تمیز کرنا ذرا
مشکل ہے ۔ لہذا ان پر ایک ساتھ بحث کی جائیگی ۔ عام
نسیان کے واقعات اس کی عام ترین صورتیں ہیں ۔ ذہنی
امراض کی اکثر صورتوں میں اس کی مثالیں بہ کثرت
پائی جاتی ہیں ۔ مغالطات کے نظام کی وجہ سے پیدا ہونے
والی یادداشت کی تبدیلیاں ، اور مخمور یا مفلوج شخص

کے من گھڑت افسانے اس کی مثالیں ہیں۔ لیکن ہمارے
 موجودہ مقصد کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ وہ حالت ہے،
 جس کو فسطاسیائی بیانات کہتے ہیں اس حالت میں بالکل
 من گھڑت اور خیالی گزشتہ واقعات بیان کئی جاتے ہیں۔
 اس کا مریض نہایت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ، گویا
 وہ حقیقی واقعات بیان کر رہا ہے، اپنی پچھلی زندگی کے
 واقعات و تجربات بیان کرتا ہے۔ لیکن بعد میں تحقیق سے
 معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب محض افسانے تھے۔ ڈاکٹر سٹاڈرڈ
 نے ایک مضمون میں اس کی ایک دلچسپ مثال پر بحث کی
 ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ جھوٹ بولنے کی جبلت پر
 موقوف ہوتی ہے۔ میرے نزدیک یہ نظریہ کچھ بہت زیادہ
 تشفی بخش نہیں۔ اگر ایسی جبلت موجود ہے، تو پھر
 اس کا اثر اس مریض کے تمام بیانات پر ہونا چاہئے۔ لیکن
 واقعہ یہ ہے کہ اس حالت میں اس کے صرف بعض بیانات
 جھوٹے ہوتے ہیں، اور یہ فساد ہمیشہ ایک خاص سمت
 میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سٹاڈرڈ کے مریض سے میں بھی ملا
 تھا۔ یہ مریض اس بارے میں جھوٹ نہ بولتا تھا کہ اس

نے بکری کا گوشت کھایا ہے یا گائے کا . یہ ہمیشہ اپنی گذشتہ تجربات سنانے میں جھوٹ بولتا تھا ، اور اپنی آپ کو ایک بہت ممتاز ، با اثر ، اور بہت زیادہ دلچسپ ، آدمی ظاہر کرتا تھا . دوسرے لفظوں میں اس کے من گھڑت افسانے فنطاسیا کی بہت نفیس مثالیں تھیں . احتمال اس بات کا ہے کہ اس مرض کی ہر صورت کی تہ میں اثبات ذات کا مولف کام کرتا ہے . جو خیال ہم نے ظاہر کیا ہے ، اس سے فنطاسیائی بیانات اور جوانوں کے خوابائے بیداری کی قریبی مشابہت بھی سمجھ میں آ جاتی ہے . اس مشابہت کی طرف ریش [۱] نے ایک نہایت بیش بہا مضمون میں اشارہ کیا ہے . جس میں اس نے فنطاسیائی بیانات کی پانچ مثالیں بیان کی ہیں . ان تمام مثالوں میں اس نے بعض عناصر کو مشترک پایا ہے . چنانچہ قصے گھڑنے کا ناقابل ضبط میلان ، اور اس سے پیدا ہونے والی مسرت ، اور مریض کے سلسلہ خیالات کا خود مریض کی طرف عود کرنا ، یعنی خود مریض کا اپنے آپ کو ان تمام

RISCH [۱]



**Tibbi Books for
Atiba Karam**

قصوں کا ہیرو ظاہر کرنا، ہر مثال میں پایا جاتا ہے۔ [۱]
 فنطاسیائی بیانات کا مریض اپنے من گھڑت تجربات بیان
 کرنے میں غیر ممکن تجربات اور واقعات سے کنارہ کرتا ہے۔
 لہذا ہر تجربہ اور واقعہ بذات خود تو سچا معلوم ہوتا
 ہے، لیکن جب پورے کے پورے قصے پر غور کیا جاتا
 ہے، تو قلعی کھل جاتی ہے، جھوٹ بولنے والا شخص تو
 جھوٹ ظاہر ہونے سے ڈرتا ہے، لیکن یہ مریض اس
 سے بالکل نہیں ڈرتا، بلکہ اگر اس کا جھوٹ ظاہر ہو
 جاتا ہے، تو یہ اور قصے گڑھتا ہے، اور بعض اوقات
 مضحکہ خیز طریقے سے اپنے آپ کو اس سے بچاتا ہے۔
 چنانچہ ایسے ہی ایک مریض نے ایک روسی نواب کے

[۱] ریش کا خیال ہے کہ ان من گھڑت قصوں کو صرف دن کے خواب دیکھنے والوں کے
 فنطاسیا ہی سے نہیں، بلکہ ناول نویس اور شاعر کے سلسلہ خیالات و تمثالات سے بھی
 تعلق ہوتا ہے۔ لیکن اس کے نزدیک مریض ایکثر بھی ہوتا ہے اور مصنف بھی، لیکن
 ناول نویس اور شاعر صرف مصنف ہی ہوتا ہے، میرا عقیدہ ہے کہ یہ خیال ناول
 نویس کی نفسی کیفیت کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے، کیوں کہ بہت سی مثالوں میں ناول نویس
 اپنے پیدا کردہ کرداروں کی زندگی میں حصہ دار ہوتا ہے، آرنلڈ اینٹ کے ناول CLAY
 HANGER اور HILDA LESSWAYS اس کی دلچسپ مثالیں ہیں۔
 مقدم الذکر میں جن واقعات کو ہیرو کے نقطہ نظر سے بیان کیا گیا ہے، وہی موخر الذکر
 میں ہیروئن کے نقطہ نظر سے بیان ہوئے ہیں۔ [مصنف]

ساتھ اپنی تجربات بیان کئے۔ لیکن جب اس پر روشن کیا گیا کہ اس کے قصے جھوٹے ہیں، تو اس نے صرف اتنا کہا کہ ”بہر حال روسیوں سے میری اکثر ملاقاتیں ہوئی ہیں“۔ جہاں تک میں معلوم کرسکا ہوں ریش کا خیال ہے کہ مریض خود اپنی من گھڑت قصے پر یقین رکھتا ہے، اگرچہ وہ اس حالت اور جنوں کی اس حالت میں، جسے DE - MENTIA PARANOIDES کہتے ہیں، تمیز بھی کرتا ہے۔ لیکن مجھے اس یقین کے وجود میں شبہ ہے۔ جھوٹ کھل جانے پر اس مریض کی حالت وہ نہیں ہوتی، جو کسی مغالطے کی غلطی کے افشا ہونے کے وقت ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ من گھڑت افسانوں کو جھٹلایا جاسکتا ہے، لیکن مغالطوں کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یقین کے درجی کے لحاظ سے فنطاسیائی بیانات کے مریض کی حالت خواب بیداری کے کلی عدم یقین اور مغالطات کے مکمل اور اطلاقی یقین کے بین بین ہوتی ہے۔ اس حالت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ غالباً بچوں کے نقلی جھوٹوں کے قریب قریب ہوتی ہے۔

ہسٹیریا کے مریض کے فنتاسیا بھی مندرجہ بالا واقعات
 کے مشابہ ہوتے ہیں۔ ہسٹیریا کا ایک مریض یونیورسٹی
 کالج ہاسپٹل میں میرے زیر نگرانی تھا۔ اس نے سٹاف کے
 ایک رکن کو تازہ توڑے ہوئے گل داؤدی دئے۔ جن
 کے متعلق اس نے بیان کیا کہ کیلیفورنیا میں اس کے ایک
 رشتہ دار نے اس کو بھیجے ہیں۔ جب اس کے اس
 قصے پر شبہ کیا گیا، تو اس نے ایک جعلی خط پیش
 کیا، جو گویا اس رشتہ دار کی طرف سے آیا تھا، اور جس
 میں ان پھولوں کا ذکر تھا۔ زنا بالجبر کے اتہامات بھی اسی
 کی مثالیں ہیں۔ جو مولفات اس کی تہ میں کام کرتے ہیں،
 وہ بالکل ظاہر ہیں۔
 شہادت کی نفسیات پر غور کرنے میں مریضوں کے
 حالات کی اہمیت بہت زیادہ ہے، کیونکہ ان سے معلوم
 ہوتا ہے کہ فنتاسیا کی وجہ سے شہادت کس درجہ بدل
 اور بگڑ جاسکتی ہے۔ اب آج کل (سنہ ۱۹۱۶ء) ایسے اتہائی
 فسادات کی بہت سی مثالیں پیدا ہو رہی ہیں، اور افواہوں
 کے پھیلنے میں کام کر رہی ہیں۔ یہاں سکات لینڈ کی نرس

کا وہ قصہ بیان کرنا کافی ہے، جس کا جنگ کے شروع میں اخباروں میں بہت چرچا ہوا۔ ایک جوان لڑکی نے چند خطوط شائع کئے، جن کے متعلق اس نے بیان کیا کہ فرانس کے شفاخانے سے آئے ہیں۔ ان خطوط میں اس کی بہن کی موت کا ذکر تھا، جس پر بہت ظلم توڑے گئے تھے۔ یہ قصہ بہت جلد مشہور ہو گیا، اور لوگوں کو اس پر بہت غصہ آیا۔ لیکن جلد ہی «مقتول» لڑکی نے اعلان کیا کہ وہ صحیح و سالم زندہ ہے، اور یہ کہ اس نے اپنے وطن سے قدم باہر نہیں نکالا ہے! تحقیق سے معلوم ہوا کہ پہلے لڑکی نے اپنے آپ اپنے نام خط لکھے تھے۔ یہ سب ہسٹیریائی فنطاسیا کا نتیجہ تھے۔

لیکن یہاں چند باتوں کا خیال رکھنا چاہئے: (۱) مریضوں کی مندرجہ بالا مثالیں اس نفسیاتی عمل کی انتہائی مثالیں ہیں۔ جو انسانی ذہن کی بنیادی ساخت میں پایا جاتا ہے۔ (۲) مریض اور تندرست کی حالت میں صرف درجی کا فرق ہوتا ہے۔ اور (۳) جس فنطاسیا سے مذکورہ بالا عجیب و غریب واقعات و مظاہر پیدا ہوتے ہیں، وہ بہ لحاظ

ماہیت و ساخت بچے کے معمولی فنطاسیا، اور دن کو خواب دیکھنے والے کے تقریباً معمولی فنطاسیا، سے مختلف نہیں۔ اس سے یہ بہ آسانی سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہی عمل اپنے ابتدائی درجوں پر ایک اوسطی شخص کی شہادت میں فساد پیدا کر سکتا ہے۔ لہذا کسی شہادت کا اندازہ کرتے وقت اس عامل کا احتیاط کے ساتھ خیال رکھنا ضروری ہے۔ زمانہ حال کی تاریخ بتاتی ہے کہ صحیح و تن درست اشخاص کی شہادت کے یہ فسادات، مناسب حالات میں، بالکل وہی صورت اختیار کر سکتے ہیں، جو مریضوں میں ان کی ہوتی ہے۔ اگر یہ واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے نہ گزرتے، تو ہم بلا شبہ یہی کہتے کہ معمولی اور تن درست اشخاص میں یہ فسادات پیدا ہو ہی نہیں سکتے، اور اس طرح مریض اور تن درست کے درمیان ہماری حد فاصل اس سے کہیں زیادہ واضح ہوتی، جتنی کہ ہمارے تجربے کے مطابق واقعہ ہے۔

یہاں تک ہم نے شہادت کے مسئلے پر بحث کی ہے۔ یعنی ہم نے کسی واقعے کی صرف اس اطلاع پر غور کیا ہے

جو ایسا شخص ہم پہنچاتا ہے۔ جس نے اس واقعے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، یا اپنی کانوں سے سنا ہے، یا جس کو خود اس کا تجربہ ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم نے ان فسادات کا بھی ذکر کیا ہے، جو اس شہادت میں رونما ہو سکتے ہیں۔ اب افواہ کے وسیع تر اور پیچیدہ تر، لیکن شہادت سے متعلق، مسئلے کی طرف توجہ کرنے سے قبل ہم اپنی گزشتہ نتیجوں کو مختصراً بیان کریں گے۔

اختبار سے ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی تجربے کی ایمانداری اور دیانت داری سے بھی اطلاع دیتا ہے، تب بھی یہ اطلاع واقعے کے کلیتہً مطابق نہیں ہوتی، اور یہ کہ اس تجربے کی تفصیلات کا کچھ حصہ غلط ہوتا ہے، خواہ وہ شخص اسکی صحت پر کامل یقین ہی رکھتا ہو۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ یہ غلطی ایسے عوامل کا نتیجہ ہوتی ہے، جن کے عمل سے خود وہ فرد زیادہ تر، یا بالکل بے خبر رہتا ہے، اور یہ کہ ان عوامل میں مولفات بہت نمایاں اور غالب ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مریضوں میں شہادت کے فسادات کی وجہ

بھی بالکل یہی ہوتی ہے۔ مریضوں کے فسادات کی شدید تر اور مکمل تر مثالوں پر غور کرنے سے ہم کو معمولی اور تن درست افراد کے فسادات کو سمجھنے میں آسانی ہوئی ہے۔ یہاں ہم نے شہادت کے دیدہ و دانستہ فساد، یا عمدی اور ارادی جھوٹ پر غور نہیں کیا، اگرچہ اس موضوع پر مکمل تصنیف میں ایک باب اس پر اور اس کی نفسیات پر ہونا چاہئے۔

اس مضمون کے شروع میں ہم نے افواہ کی عارضی تعریف کی تھی کہ یہ ایسی اطلاع ہے، جس سے بہت سے شاہد سلسلہ وار ایک سے دوسرے تک پہنچاتی ہیں، اور جس میں ہر شاہد اس بیان پر گواہی دیتا ہے، جس کو وہ اپنی سے پہلی شاہد سے وصول کرتا ہے۔ اگر یہ تعریف صحیح اور کافی ہوتی، تو شہادت کی نفسیات کی بحث پر یہ بحث بھی ختم ہو جاتی، اور صرف یہ کہنا باقی رہ جاتا کہ اس سلسلے کے ہر درجہ پر یہ شہادت مذکورہ بالا طریقوں سے فاسد ہو جاتی ہے، اور آخر میں یہ فساد ان تمام درجوں کے فسادات کے مجموعے کے برابر ہوتا ہے۔ اس میں شبہ

نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خیال تنگ بھی ہے اور غیر صحیح بھی ، اور یہ کہ اسمیں بہت سی اہم باتیں نظر انداز ہو گئی ہیں ۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کسی چیز کا سلسلہ اس سلسلے کی مختلف کڑیوں کے محض مجموعی سے زیادہ اور مختلف ہوتا ہے ۔ ہم بہت سے افراد پر غور کر رہے ہیں نہ کہ ایک فرد پر ، اور افواہ ایک جماعتی مظہر ہے نہ کہ فردی ۔ اسی سے ہماری بحث میں بعض ایسے نئے عناصر داخل ہو جاتے ہیں ، جنکی پرتال کرنا ، اور جنکی قیمت معلوم کرنا ضروری ہے ۔ اس کے علاوہ بعض واقعات ایسے بھی ہیں ، جو ہماری عارضی تعریف کے مطابق نہیں ۔ چنانچہ یہ ضروری نہیں کہ افواہ فرد واحد سے شروع ہو کر سلسلہ وار بہت سے افراد کے ذریعے پھیلے ۔ بعض اوقات یہ بہت سے افراد سے بہ وقت واحد شروع ہوتی ہے ۔ یہ افواہ ظاہر ہے کہ شاہدوں کا سلسلہ نہیں ہوتی ۔ مٹھیا اور بہادروں کے قصے بھی اسی طرح شروع ہوتے ہیں ۔ ان میں ایک ہی جیسے قصے مختلف قوموں اور ملکوں میں مشہور

ہوتے ہیں [۱]۔ یہاں پر نئے عناصر ہیں، جو تحقیق و تحلیل طلب ہیں۔

مختصر یہ کہ اگر چہ اطلاع کا ایک شاہد سے دوسرے کی طرف انتقال افواہ کے لئے ضروری ہے، لیکن یہ افواہ کے مساوی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افواہ کی اختباری تحقیق کا بڑا حصہ بے ثمر رہا۔ یہ تمام اختبارات انتقالی افواہ تک محدود رہے۔ لہذا جو باتیں کہ شہادت کی تحقیق سے حاصل ہوئیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی نئی بات دریافت نہ ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ افواہ اسقدر پیچیدہ عمل ہے کہ اس کے لئے اختبارات وضع کرنا دشوار ہے۔ لہذا ہم کو صرف ان اختبارات پر تکیہ کرنا پڑتا ہے، جو فطرت ہمارے لئے مہیا کرتی ہے۔ خوش قسمتی سے جنگ کے زمانے میں فطرت اس لحاظ سے بہت فیاض ثابت ہوئی۔

ہم نے کہا ہے کہ افواہ جماعتی مظہر ہے، یعنی یہ کہ

[۱] بعض مہیا اور بہادروں کے قصوں کی اصلیت کا یہ خیال فرائڈ کے شاگردوں کا پیش کردہ ہے۔ لیکن آجکل کے اکثر ماہرین انسیات اس سے متفق نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان کا بہت بڑا حصہ عام افواہ کی طرح سلسلہ وار بہت سے اشخاص کے ذریعے سے پھیلتا ہے۔ [مصنف]

اس کا وجود صرف جماعتوں میں ہو سکتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ افواہ پر بحث کرنے سے قبل جماعتوں، اور خصوصاً جماعت کی اس مخصوص شکل، جس کو »بھیڑ [۱]« کہتے ہیں، کے کردار کے نفسیاتی اصول پر غور کیا جائے۔ زمانہ حال میں بھیڑ کی نفسیات کی طرف بہت توجہ ہوئی ہے، اور بہت سے مصنفین نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان میں سے سب سے پہلا اور سب سے زیادہ مشہور لے بون [۲] ہے، اور سب سے آخری سرمارٹن کونوے۔ موخر الذکر کی کتاب — THE CROWD IN PEACE AND WAR — سنہ ۱۹۱۵ء کے آخر میں شائع ہوئی۔ لے بون نے بتایا ہے کہ بھیڑ کا کردار فرد کے کردار سے مختلف ہوتا ہے، اور بھیڑ ایک نیمز صنف فکر رکھتی ہے۔ اس کے عقیدوں کو مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے: — بھیڑ کسی قسم کے افراد پر بھی مشتمل ہو، اس کے بھیڑ ہونے سے ہی اس میں ایک طرح کا اجتماعی ذہن پیدا ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی حسیات

اس کا فکر اور کردار ایک اکیلے شخص کی حسیت اور اس کے فکر و کردار سے مختلف ہو جاتا ہے ۔ بھیڑ ایک اکیلے شخص کی بہ نسبت عقلاً لازماً فرو تر ہوتی ہے ۔ اس کا غور و فکر کبھی بھی معقول نہیں ہوتا ۔ اس کا کردار وقتی جذبات کے مطابق ہوتا ہے ۔ جس صنف فکر کا اس میں اظہار ہوتا ہے ، وہ ایک فرد کے معقول فکر سے اساساً مختلف ہوتا ہے ۔ بھیڑ تمثالات کے ذریعے سے فکر کرتی ہے ۔ اس فکر میں ایک تمثال سے مختلف تمثالات کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے ، اور پہلی تمثال اور تمثالات کے اس سلسلے میں کوئی منطقی ربط کی بجائے صرف مشابہت ، یا اسی قسم کا کوئی اور سطحی تعلق ہوتا ہے ۔ اس میں موضوعی اور معروضی کی تمیز نہیں ہوتی ، اور نہ فکر کی کوئی منطقی رہ نمائی ہوتی ہے ۔ اسی وجہ سے متضاد خیالات ایک ہی وقت میں موجود ہو سکتے ہیں ۔ بھیڑ غیر ممکن سے غیر ممکن بات کو بھی تسلیم کر لیتی ہے ، اور شبہ بہت آسانی کے ساتھ ناقابل انکار یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ بھیڑ کے عقیدے ہمیشہ » مذہبی « شکل کے ہوتے ہیں ۔ اس

سے لَبوں کی مراد یہ ہے کہ یہ ایک مفروضہ برتر ہستی کی اندھا دھند پیروی کرتی ہے۔ اس میں ان عقیدوں پر غور کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی۔ یہ ان عقیدوں کو پھیلانا چاہتی ہے، یہ ان تمام اشخاص کو اپنا دشمن سمجھتی ہے۔ جو ان عقیدوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ جس غالب قوت سے یہ تمام مظاہر پیدا ہوتے ہیں اس کو ایعار [۱] کہتے ہیں۔ بھیڑ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ایعار کو بہت جلد قبول کر لیتی ہے۔

کونوے بھی یہی راستہ اختیار کرتا ہے۔ لیکن بھیڑ کا تخیل اس کے ہاں لَبوں کے تخیل سے وسیع تر ہے۔ اس کے نزدیک ہر پیشہ، جماعت، یا افراد کا امکانی مجمع، بھیڑ میں شامل ہے۔ ان معنوں میں یہ جیمس کی »عمرانی ذاتوں« (۲) کے مقابل ہے۔ کونوے کا خیال ہے کہ بھیڑ جذبات کے زیر اثر عمل کرتی ہے۔ جذبات کے مقابلے میں »عقل« ہے، جو صرف فرد کے فکر و عمل میں پائی جاتی ہے۔

یہ تمام خیالات بہ ذات خود ، اور ہمارے موضوع بحث کے تعلق سے ، بہت دل چسپ ہیں ، اس لڑی کہ افواہ بھیڑ میں پھولتی پھلتی ہے ۔ لہذا بھیڑ کی نفسیات کو سمجھنے سے افواہ کی بنیادی خصوصیات میں سے کم از کم بعض کی توضیح ہوگی ۔

لیکن بھیڑ کی جو نفسیات ہم نے اوپر بیان کی ہے ، اس کا بڑا حصہ صحیح نہیں ۔ چنانچہ بھیڑ اور فرد میں جو فرق بیان کیا گیا ہے ، وہ بہت زیادہ اطلاقی اور مصنوعی ہے ۔ یہ عقیدہ کہ بھیڑ میں شامل ہو جانے کے بعد ایک فرد ایسے نفسیاتی عوامل کا اظہار کرتا ہے ، جو ان عوامل سے بہ ذات خود مختلف ہوتے ہیں ، جن کا اظہار وہ بھیڑ سے الگ ہو کر کرتا ہے ، یعنی یہ کہ بھیڑ میں شامل ہو جانے کے بعد وہ حیوان کی ایک مختلف نوع بن جاتا ہے ، بہت خام اور غیر صحیح ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ بھیڑ کی نفسیات ایک فرد کی نفسیات سے مختلف نہیں ۔ بھیڑ کی نفسیات ایک خاص ماحول ، یعنی اس ہی نوع کے دیگر افراد کی موجودگی ، میں ایک فرد کی نفسیات ہے ۔ لہذا بھیڑ کی علیحدہ نفسیات

کو پیدا کرنا اتنا ہی بے معنی ہے ، جتنا کہ « گندم کے کھیت میں فرد کی نفسیات » یا « شکر کے کارخانے میں فرد کی نفسیات » . ان دونوں میں فرق صرف ماحول کا ہے اور سب جانتے ہیں کہ ماحول کے اختلاف سے رد اعمال میں اختلاف پیدا ہوتا ہے ، ماحول کے اس اختلاف کا تعلق اشخاص سے ہو ، یا اشیا سے . دونوں صورتوں میں بنیادی نفسیاتی عوامل ایک ہی رہتے ہیں ، اگرچہ ہو سکتا ہے کہ دیگر افراد کی موجودگی سے ان میں سے بعض زیادہ روشن ہو جائیں ، اور بعض مدہم پڑ جائیں ، یا بالکل رک جائیں .

بھیڑ کی نفسیات کی تحقیق کرنے والوں کا بڑا قصور یہ نہیں کہ انہوں نے اس نفسیات کو غلط سمجھا ، بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے فرد کی نفسیات کو غلط سمجھا . ان کو یہ اندازہ نہیں ہوا کہ دونوں فکر کی ایک ہی صورت کا اظہار کرتے ہیں ، اگرچہ بھیڑ میں یہ اظہار اتنا صریحی نہیں ہوتا . لہٰذا یہ خیال کہ ذاتی اغراض فرد کے عمل کا محرک ہوتی ہیں ، دراصل ہتھم کے عقیدے کی خام صورت ہے . جس کو ہم تسلیم نہیں کر سکتے . پھر یہ بیان

بھی زمانہ حال کی نفسیات کے اصول کے خلاف ہے کہ فرد کا فکر و عمل عقل کے مطابق ہوتا ہے۔ فکر کی جذباتی صورت، جس کو ہم نے مولف کہا ہے، کا اظہار بھیڑ اور فرد میں برابر شدت کے ساتھ ہوتا ہے۔ حقیقی معقول فکر النادر کالمعدوم کا مصداق ہے۔ یہ ظاہر معقول فکر کا بڑا حصہ غیر شعوری مولفات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ان مولفات کے عمل کو ہم اپنے آپ سے »تصویب« کے ذریعے سے چھپاتے ہیں۔ فرد اور بھیڑ کے فکر میں صرف درجے کا فرق ہوتا ہے، اور یہ فرق اس بات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ موخر الذکر بعض جذباتی عناصر کے لئے موزوں ہوتا ہے۔ ان جذباتی عناصر کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔ معقول فکر اور مولفی فکر کا فرق یقیناً حقیقی ہے، لیکن ان کے درمیان حد فاصل وہ نہیں، جو فرد کے اور بھیڑ کے فکر میں ہوتی ہے۔

جو قوتیں مولفی فکر کی ذمہ دار ہیں، ان میں سے نمایاں ترین »غولی جبلت« ہے۔ مہذب شخص کی نفسیات میں اس کے عمل کو ٹرائڈ نے اپنی ایک کتاب

INSTINCTS OF THE HERD IN PEACE AND -

میں واضح کیا ہے ۔ غولی جبلت کا تقاضا یہ ہے WAR -
 کہ فرد کا فکر و عمل غول کے فکر و عمل کے مطابق ہے ۔
 اسی جبلت کے زیر اثر فرد ان آئیں عمل کی پابندی کرتا
 ہے ۔ جس کو غول نے منظور کیا ہے ، اور ان عقیدوں
 کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیتا ہے ۔ جو اس کی جماعت
 میں رائج ہیں ۔ اوسطی شخص کے اخلاقی ضابطے اور اس
 کے ان عقیدوں کو جو کسی مخصوص علم کا نتیجہ نہیں ہوئے
 اس کی جماعت ہی معین کرتی ہے ۔ یہ خوب سمجھ لینا
 چاہئے کہ فرد کے فکر کا بہت بڑا حصہ غولی جبلت ہی
 سے معین ہوتا ہے ، اور یہ کہ یہ نام نہاد بھیڑ کے فکر کے
 لئے مخصوص نہیں یہ ہر فرد انسان کی نفسیات کا بنیادی حصہ
 ہے ۔ کیوں کہ ہر انسان لازماً غول بنا کر رہنے والا
 حیوان ہے ۔ معقول فکر وہ واحد میدان ہے ، جس میں اس
 کا اثر قلیل ترین ہو جاتا ہے ، اور حقیقی معقول فکر ہماری
 ذہنی فعلیتوں کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے ۔ لیکن یہ سمجھ لینا
 مشکل نہیں کہ بھیڑ غولی جبلت کی کار فرمائی کے لئے

خاص طور پر موزوں ہوتی ہے، اور ان حالات میں اس کا اثر کثیر ترین ہو جاسکتا ہے ان حالات میں آرا و عقائد زیادہ آسانی، اور کم تر منطقی شہادت، کے ساتھ تسلیم کر لئے جاتے ہیں۔ اکیلے شخص میں ایسا نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان لوگوں کے ساتھ متفق ہو کر کہا جاسکتا ہے کہ بھیڑ میں معقولیت قریب قریب غائب ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمارا نتیجہ یہ ہو گا کہ فرد کے فکر اور بھیڑ کے فکر کا اساسی فرق نوعیت کا نہیں، بلکہ محض درجے کا ہے۔ غیر معقول فکر دونوں میں اکثر پایا جاتا ہے۔ لیکن بھیڑ میں یہ زیادہ نمایاں اور غیر محدود ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں ایسے حالات پائے جاتے ہیں، جو غولی جبلت کے عمل کے لئے بہت موزوں ہیں، اور غولی جبلت ان عوامل میں سے اہم ترین ہے، جو فکر کی غیر معقول صورت کے ذمہ دار ہیں۔

ان خیالات کو اپنی ساتھ لیکر اب ہم پھر افواہ کی مسئلہ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ ہم دریافت کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ اس کو ان نفسیاتی قوتوں سے کیا

تعلق ہوتا ہے ، جو بھیڑ میں کام کرتی ہیں ۔ اس تعلق کی
 ٹرائر نے اپنی محولہ بالا کتاب میں قابل قدر تحلیل کی ہے ۔
 اس کے نتیجوں کو مختصراً اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے :
 جو حالات غولی جبلت کی تحریک کرتے ہیں ، وہ غول کے
 ہر فرد میں مخصوص غولی رد اعمال پیدا کرتے ہیں ۔ جماعت
 کا ہر فرد اپنی ہم جماعت کا ہم درد بن جاتا ہے ۔ اس میں
 ان کے خطروں ، ان کی امیدوں ، راؤں ، اور ان کے عقیدوں
 سے متاثر ہونے اور ان کو اپنانے کا میلان پیدا ہو جاتا ہے ۔
 اس کا محرک غیر معقول راؤں اور فیصلوں کی بہ سرعت
 اشاعت میں مدد دیتا ہے ۔ یہاں اتنا اور بتا دینا چاہئی کہ اس
 طرح سے جو غولی رد اعمال پیدا ہوتے ہیں ، ان کی شدت
 غولی جبلت کے محرک کی شدت کے تناسب سے ہوتی ہے ۔
 لہذا اگر محرک کی شدت کثیر ترین ہوتی ہے ۔ تو رد عمل
 کی شدت بھی کثیر ترین ہو جاتی ہے ، جنگ ، اور
 بالخصوص وہ جنگ ، جس میں غول کی ہستی ہی خطرے
 میں ہو ، غولی جبلت کے محرکات میں سے غالباً شدید ترین
 ہے ، لہذا جنگ کے زمانے میں تمام مخصوص

غولی مظاہر ، مثلاً ہم جماعت افراد کے آراء و عقائد سے متاثر ہونے کے میلان ، اور اس لئے افواہ کی پیدائش و اشاعت ، مین زیادتی کی توقع بے جا نہ ہوگی۔ ٹرائر نے واضح کیا ہے کہ کثیر ترین غولی رد عمل کو پیدا کرنے کے لئے جنگ غول کے لئے بہت خطرناک ہونی چاہئے۔ جنوبی افریقہ کی لڑائی اس لحاظ سے خطرناک نہ تھی ، لہذا اس زمانے میں افواہ کی پیدائش ، قوت ، اور اشاعت بھی بہت زیادہ نہ تھی۔ اس کے بر خلاف سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے وقت غولی جبلت کا محرک شدید ترین تھا۔ اس زمانے میں ہم جماعت افراد کی ہم دردی اور ریل اور بس کی فضا کی تبدیلی ہر شخص کو یاد ہوگی۔ اسی کے مطابق اس زمانے میں جتنی افواہیں پھیلیں اتنی بعد میں نہ پھیلیں۔ جب غولی جبلت کی تحریک شدید ترین ہوتی ہے ، تو ذہن پر اس کا عمل پوری طرح متسلط ہو جاتا ہے۔ غیر معقول خیالات زیادہ آسانی کے ساتھ پھیل جاتے ہیں۔ اور معقول فعلیتیں ، اور ٹھنڈے دل سے سوچنے کی قابلیت ، مفقود ہو جاتی ہے۔ لہذا ایسے ایسے لوگ ان

ان قصوں پر یقین کر لیتے ہیں، جو معمولی حالات میں، ان کے عدم امکان کو آسانی کے ساتھ دریافت کر سکتے ہیں۔ یہ عمل کس حد تک جا سکتا ہے، اس کی ایک مثال میری ایک نوکرانی نے میا کی، جو بے وقوف یا بے عقل نہ تھی۔ ایک دن یہ ہانپتی کانپتی میرے پاس آئی اور پوچھا کہ کیا میں نے سنا ہے کہ » ہمارے ایک ہوائی جہاز نے رات کو آکسفورڈ پر بمب پھینکا! «

اس طرح ہم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں، جہاں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ افواہ کس قسم کی زمین میں سرسبز ہوتی ہے، اور وہ کون سی قوتیں ہیں، جو اس زمین کو جنگ کے زمانے میں زرخیز بناتی ہیں۔ اب دوسرا حل طلب مسئلہ ان علتوں کی جانچ ہے، جو افواہوں کی پیدائش اور اشاعت کی بہ راہ راست ذمہ دار ہیں، اور ان افواہوں کی جماعت بندی ہے، جو موجود و مروج ہیں۔ یعنی اب ہم کو اس بیج پر غور کرنا ہے، جو اس زمین میں ڈالا جاتا ہے، اور ان پودوں کو دیکھنا ہے، جو اس بیج سے پیدا ہوتے ہیں۔

ان میں سے پہلے سوال کا جواب تو بداهتاً یہ ہے کہ افواہوں کو پیدا کرنے، اور ان کو پھیلانے والے اسباب وہ تمام عوامل ہیں، جو شہادت کو فاسد بناتے ہیں، اور جن پر اسی مضمون کے ابتدائی حصے میں بحث ہو چکی ہے۔ ہم نے دیکھا تھا کہ مولفات کا عمل ان عوامل میں سے سب سے بڑا تھا۔ مولفات کا یہ عمل نہ صرف ایک حقیقی واقعے کی اطلاع کو مسخ کر دیتا ہے، بلکہ فسطاسیا کی صورت میں نئی خیالی شہادت کو پیدا بھی کرتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ افواہوں کی قسموں کا انحصار ان مولفات کی نوعیت پر ہوگا، جو کارفرما ہیں۔ یہاں افواہوں کی جامع و مانع جماعت بندی ممکن نہ ہوگی، تاہم مندرجہ ذیل قسموں کو آسانی کے ساتھ معلوم کیا جا سکتا ہے :-

(۱) افواہیں، جو غول کی ہستی سے بہ راہ راست تعلق رکھتی ہیں :- یہ افواہیں اس بات کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ غول کی ہستی خطرے میں پڑ جانے کی وجہ سے اس میں اندیشناک توقعات پیدا ہوتی ہیں، اور اس سے

اطلاعوں کے فسادات اور فسطاسیا رونما ہوتے ہیں ، چناں چہ حملوں ، جرمن جاسوسوں ، جرمنوں کی بڑی بڑی توپوں ، پانی کے نیچے چلنے والی بڑی بڑی کشتیوں ، وغیرہ ، کی افواہیں اسی قسم کی تھیں ۔ ان میں سے بعض میں بعض اور تختانی عناصر ، خصوصاً سیاسی تعصبات ، بھی شامل تھے ، جو جنگ کی وجہ سے اتنے گہرے دفن نہ ہوئے تھے جتنے کہ ہم سمجھتے ہیں ۔ اس کا ثبوت اس روئیے سے ملتا ہے ، جو مختلف اخباروں نے ان افواہوں کی طرف اختیار کیا ۔ انہوں نے پرانی پارٹیوں کے نام تو مٹا دیئے ، لیکن دوسرے ناموں سے ان ہی پارٹیوں کو پھر زندہ بھی کر دیا ۔ یہی تختانی مولفات ، جو اس قسم کی افواہوں میں پلتے ہیں ، ہم کو افواہوں کی دوسری قسم تک لے جاتے ہیں ۔

(۲) خواہشات کو پورا کرنے والی افواہیں : — یہ ان

عوامل کا نتیجہ ہوتی ہیں ، جن سے ہم معمولی اور غیر معمولی ، دونوں قسموں کے ، افراد کی نفسیات میں مانوس ہیں ۔ یعنی ہم اپنے ایسی خیالی دنیا پیدا کر لیتے

ہیں ، جس میں ہماری تمام خواہشات اور آرزوئیں بہ آسانی پوری ہو سکتی ہیں ۔ یہ افواہیں کہ فلاں شہر میں جرمنوں کا ایک ہوائی جہاز گرا دیا گیا ، فلاں سمندر میں پانی کے نیچے چلنے والی کشتی ڈبو دی گئی ، وغیرہ ، اسی قسم کی ہیں ۔ یہاں پر پھر اور عوامل بھی کام کرتے ہیں ۔ ان میں سے بعض پر ہم بعد میں بحث کریں گے ۔

(۳) افواہیں ، جو عام اور اساسی مولفات کا نتیجہ ہوتی ہیں :— بعض مولفات انسانی فرد کی نفسیاتی ساخت کے بہ منزلہ بنیاد کے ہوتے ہیں ، اور اس لئے اکثر اشخاص میں ان کی تحریک بہ آسانی ہو سکتی ہے ۔ موزوں محرک ہونے کی صورت میں یہی مولفات افواہوں کی پیدائش اور اشاعت کا باعث بنتے ہیں ۔ یہ مولفات کسی چیز کو پکڑ کر اس پر فسطاسیا مبنی کرتے ہیں ، اور اس طرح ایک حد تک اپنی تشفی کر لیتے ہیں ۔ جنگ کے زمانے کے حرامی پھوپھ کی افواہ اس کی مثال ہے ۔ اس افواہ کی پیدائش اور اشاعت بدھتہً جنسی الاصل فسطاسیا کا نتیجہ ہے ۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس افواہ کو ایسے

لوگوں نے نہایت جاں فشانی سے پھیلایا، جن کا کیرکٹر بہ ظاہر نہایت عمدہ تھا۔ ہر حال اس سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ جن مولفات کو کام پانی کے ساتھ دبایا جاتا ہے، وہ بالواسطہ طریقوں سے اپنی تشفی کر لیتی ہیں۔ اسی طرح مظلّم کی افواہوں کی کم از کم ایک جڑ سادیتی [۱] اور مساکیتی [۱] مولفات میں پائی جاتی ہے، جو کم از کم غیر ترقی یافتہ اور دبی ہوئی صورت میں بہت عام ہیں۔ اگرچہ ان کو ایسا سمجھا نہیں جاتا، جس چیز کو بے رحمی کی جبلت کہا جاسکتا ہے، وہ ہماری فطرت کا لازمی جزو ہے، گو ہماری تعلیم اور روایات اس کو چھپا اور دبا لیتی ہیں۔ ولیم جیمس نے اس خیال پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور بتایا ہے کہ اسی جبلت کی تحریک کی وجہ سے مظلّم کے قصہ ہمارے لڑے اس قدر دل چسپ ہوتے ہیں۔ لہذا جو فنتاسیا اس پر مبنی ہوتا

[۱] سادیت (SADISM) اور مساکیت (MASOCHISM) دو متضاد حالتیں ہیں۔ پہلی میں ایک شخص دوسرے شخص کو تکلیف پہنچا کر خوش ہوتا ہے، اور دوسری میں خود تکلیف اٹھا کر، یہ دونوں ذہن کی غیر معمولی حالتیں ہیں، جو ذہنی امراض کے مریضوں میں پائی جاتی ہیں۔ [مترجم]



ہے ، وہ اسی قسم کی افواہوں کی پیدائش اور اشاعت کا ذمہ دار ہے ۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اساسی اور عام قسم کے مولفات پر ہم یہاں بحث کر رہے ہیں ، وہ مٹھیا اور بہادروں کے قصوں کی پیدائش کے لئے بہت اہم ہوتے ہیں ۔ یہ ابتدائی مولفات ہوتے ہیں ، جو کم و بیش تمام نوع انسانی میں مشترکاً پائے جاتے ہیں ۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ جو نفسیاتی عوامل یہاں پائے جاتے ہیں ، وہ ان عوامل سے حیرت انگیز مشابہت رکھتے ہیں ، جو افواہ کی ترقی کے ضامن ہیں ۔

افواہ کے بعض مخصوص پہلو ایسے ہیں ، جو خاص توجہ اور تحلیل کے محتاج ہیں ۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی افواہ کے سننے کے بعد خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اس کو جس قدر ممکن ہو کسی اور شخص کو سنایا جائے ۔ اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں ۔ قریب قریب یہی حال مذاق کا ہوتا ہے ۔ اچھری اور ستھرے مذاق کو دوسرے شخص تک پہنچانے کا میلان بھی ہم میں بہت عام ہے ۔

اس کا مقابلہ بھیڑ کے اس میلان سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ یہ اپنی آراء اور اپنے عقائد کو پھیلانا چاہتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس میلان کے پس پردہ عوامل کے مندرجہ ذیل دو مجموعات کام کرتے ہوں۔ بہ ہر حال یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہماری یہ تحلیل جامع ہے۔

ان میں سے پہلا مجموعہ اثبات ذات کے مولفات ہیں۔ اس کے عمل پر ہم شہادت کے فساد کے ضمن میں بحث کر چکے ہیں۔ ہم نے وہاں دیکھا تھا کہ ہم اپنے آپ کو ایک ممتاز شخص ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ہر موقع پر مرکزی مقام حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہماری خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہر شخص ہماری تعریف کرنے کے لئے اپنی آنکھیں اور اپنے کان ہمارے لئے وقف کر دے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص تازہ ترین افواہ سناتا ہے، وہ یہ تمام تشفی حاصل کر لیتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دوسرے شخص کے ذہن میں اہم مقام حاصل کرنے کی خواہش فطریاتی بیانات کے مریضوں میں بھی بلاشبہ پائی جاتی ہے، اور ریش کا بیان ہے کہ اس کے مریض صرف اس

اس وقت قصے گھڑتے تھے، جب ان کو یقین ہوتا تھا کہ سننے والا ان قصوں کو دل چسپی کے ساتھ سنے گا۔ اثباتِ ذات کے ان مولفات کا ایک ذیلی اثر اور ہوتا ہے۔ یعنی افواہ پھیلانے والے کا میلان ہوتا ہے کہ وہ افواہ کے واقعات کو اپنی ذات سے متعلق کر لے۔ چناں چہ جب جرمن جاسوسوں کی افواہ پھیلی ہوئی تھی، تو اس افواہ کے پھیلانے والے ہم کو یقین دلاتے تھے کہ قریب کے قصبے، یا پاس کے بازار، یا خود ان کے بھائی کے مکان، میں ایک نرس پکڑی گئی ہے، جو بمب سے بھرا ہوا ایک بکس لئے جا رہی تھی۔ فسطاسیائی بیانات کا مریض کہتا ہے کہ اس نے خود اپنے گھر میں ایسی نرس پکڑی ہے۔ لیکن صحیح و تن درست شخص میں خود اپنی تنقید کرنے کی اتنی قابلیت ہوتی ہے کہ وہ اس درجے کے فسطاسیا کو روک دے۔ اتنی قابلیت اس میں نہیں ہوتی کہ مذکورہ بالا چھوٹے چھوٹے فسادات کی روک تھام کرے۔ روسیوں کے متعلق افواہوں میں اس کی بہت سی مثالیں نظر آئیں۔

چنانچہ ان دنوں مین ہم میں سے بہت کم ایسے تھے، جن کی خالہ یا جن کے « ممتاز عہدے دار دوست » نے روسی فوج کو نقل و حرکت کرتے نہیں دیکھا۔

دوسرا اور غالباً سب سے اہم مجموعہ ان عناصر سے مشتمل ہے، جن کو غولی جبلت سے بہ راہ راست تعلق ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب اس جبلت میں مناسب تحریک پیدا ہوتی ہے، تو ہر فرد اپنے آپ کو اپنی جماعت میں مدغم کرنے، اور اپنی جماعت کی فلاح و بہبودی میں زیادتی کرنے، کی خواہش کرتا ہے۔ اگر یہ خواہش مناسب تشفی حاصل کر سکتی ہے۔ تب تو اس کی وجہ سے پیدا ہونے والی بے چینی فوراً ختم ہو جاتی ہے۔ اس اثر کی مثال اس شخص کے اطمینانِ قلب میں ملتی ہے جو قومی خطرے کی حالت میں فوج میں بھرتی ہو جانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ غول میں اپنے آپ کو مدغم کرنے، اور اس کے تمام کاموں میں شریک ہونے، کی خواہش افواہ کے پھیلانے والے میں بھی نظر آتی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ من جملہ ان عوامل کے ہے، جن سے افواہ کو دوسرے شخص تک

پہنچانے کا میلان پیدا ہوتا ہے ۔

افواہ کا دوسرا مخصوص پہلو ، جس کی طرف ہم یہاں توجہ دلانے کی کوشش کر رہے ہیں ، یہ ہے کہ یہ جنسی شکل کی ہوتی ہے ۔ یعنی یہ کہ افواہ ایک ایسی عام صورت اختیار کرتی ہے ، جو مناسب حالات کے پیدا ہوتے ہی دوبارہ رونما ہو جاتی ہے ۔ جب جرمنوں نے فرانس پر حملہ کیا ہے ، تو تمام جرمنی میں افواہ پھیلی کہ فرانسیسیوں نے کنوؤں میں زہر ڈال دیا ہے ۔ جنگ کے دوران میں مختلف موقعوں پر ایسی ہی افواہیں پھیلین ۔ پچھلے زمانے کی جنگوں میں بھی حملے کے وقت ایسی افواہیں پھلتی رہی ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ہم نہیں بتا سکتے کہ یہ افواہیں کس حد تک سچی تھیں ۔ لیکن ان کے بار بار پھیلنے سے ان کی صحت ذرا مشتبہ ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح ظالموں کی افواہوں نے بھی ہمیشہ مخصوص صورتیں اختیار کی ہیں ۔ اس کی مثال یہ افواہ ہے کہ اس ملک میں بلجیئم کے بہت سے بچے ایسے ہیں ، جن کے ہاتھ کاٹ دئے گئے ہیں ۔ افواہ کی جنسی نوعیت کی بہترین مثال یہ ہے کہ جنگ کے زمانے میں تمام افواہوں

کا تعلق جنگ سے ہوتا ہے۔ یہ مثال اتنی صریحی اور صاف ہے کہ ہم اس صراحت ہی کی وجہ سے اس کی اہمیت کا اندازہ کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔

افواہ کی جنسی نوعیت کے متعلق ہم اس وقت کوئی پوری طرح تشفی بخش نظریہ پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن بعض باتیں ایسی ہیں، جن سے اس سوال پر روشنی پڑے گی۔ یہ بات کہ جنگ کے زمانے میں تمام افواہوں کا تعلق جنگ سے ہوتا ہے، اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ افواہ صرف اس موضوع کے تعلق سے پیدا ہوتی ہے، جس کی وجہ سے غول متحد ہے، اور جو غولی جبلت کی تمام قوتوں کی شدید ترین درجے میں تحریک کرتی ہے۔ لہذا جنگ کے زمانے میں یہ قوتیں دو صورتیں اختیار کریں گی، یعنی وہ جو اس جبلت کی مدافعتی اور اقدامی فعلیتوں میں مدد دین گی، اور ظاہر ہے کہ یہ صورتیں بہ لحاظ تعداد بہت محدود ہوں گی۔

افواہوں کی جنسی نوعیت کو پیدا کرنے کی لٹی دوسرا اہم عنصر اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ افواہوں کی علتیں بعض مجموعات کی شکل

اختیار کرتی ہیں، لہذا ان افواہوں کی صورت ان مجموعات کے مطابق ہوگی۔ ان مجموعات میں سے آخری، یعنی اساسی قسم کے عام مولفات کا عمل، اس سلسلے میں خاص طور پر اہم ہے۔ مختلف اور دور دراز کے ملکوں کے مٹھیا اور بہادروں کے قصوں کی صوری مشابہت اس بات کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ یہ ان مولفات سے پیدا ہوتے ہیں، جن کی اہمیت اوّلیٰ ہے، اور جو تمام نوع انسانی میں مشترک ہیں۔ ظاہر ہے کہ مٹھیا اور بہادروں کے قصوں کی یہ جنسی نوعیت اس جنسی نوعیت سے تعلق رکھتی ہے۔ جس پر ہم افواہ کے ضمن میں غور کر رہے ہیں۔ لہذا ہم یہ فرض کرنے کے مجاز ہیں کہ دونوں میں ایک ہی عوامل کام کرتے ہیں۔

اس لحاظ سے افواہوں کا ایک مجموعہ، یعنی وہ جس کو ظلموں سے تعلق ہے، خاص مطالعے کا محتاج ہے۔ ان میں سے بعض میں نہایت آسانی کے ساتھ سادیتی فنتاسیا دریافت کیے جاسکتے ہیں۔ زنا بالجبر اور عورتوں کی شکل و صورت بگاڑنے کے قصے تو بداهتہً اسی علت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جن حالات میں یہ قصے پیدا ہوتے ہیں، ان ہی سے

ان کی نوعیت کی توجیہ ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ سادیتی مولفات نہ صرف ظلموں کی افواہوں کو پیدا کرتے ہیں، بلکہ یہ افعال، یعنی ظالمانہ فعلیتوں، کی صورت میں بھی اپنا اظہار کرتے ہیں۔ بھیڑوں، اور خصوصاً حملہ کرنے والی فوجوں، میں سے ہر قسم کے رکاوٹ رفع ہو جاتے ہیں، لہذا یہ مولفات آسانی کے ساتھ افعال کی صورت میں اپنا اظہار کرتے ہیں۔

اب یہاں ہم اپنی موجودہ تحقیق کی غایات و حدود کے متعلق بعض باتیں بیان کریں گے۔ ہم نے اس دل چسپ اور اہم مسئلے کی طرف توجہ نہیں کی ہے کہ ہم شہادت کے فاسد اور صحیح حصوں میں کن طریقوں سے تمیز کر سکتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہماری اطلاعات ہمیشہ غلط نہیں ہوتیں، اور یہ کہ بعض اوقات افواہیں بھی واقعات کی ٹھوس بنا پر قائم ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آگے چل کر ایسے معیار وضع کئے جاسکیں گے، جن کے مطابق صدف کو خذف سے، اور فطاسیا کی پیداوار کو صحیح مشاہدوں کی پیداوار، سے یقین کے ساتھ علیحدہ کیا

جاسکے گا، قانون عرصے سے ایسا معیار قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا طریق کار وضع کیا ہے، جو موجودہ حالات میں سب سے زیادہ تشفی بخش ہے۔ تاہم اس میں بھی کلام نہیں کہ یہ طریق کار ابھی مکمل نہیں۔ اور یہ کہ اس میں ان عوامل کو اہمیت نہیں دی گئی، جو نفسیات کے ماہر کے لئے بدیہی ہیں۔ ہمیں وثاق امید ہے کہ نفسیات اس کام میں شریک ہو کر قانون کو ان اصول سے آگاہ کرے گی، جن کی مدد سے ان طریقوں کی اصلاح ہو سکے گی۔

اس مضمون میں اس کام کی کوشش نہیں کی گئی، اور جھوٹی شہادت کی تعین کے سوال کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جہاں تک کہ افواہ کو تعلق ہے ہم نے صرف وہ خبریں منتخب کی ہیں، جو بعد میں غلط ثابت ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ان نفسیاتی عوامل کو دریافت کیا جائے، جن کی وجہ سے یہ غلط خبریں پیدا ہوئیں۔ اور خبریں، مثلاً ظلموں کی مصدقہ خبریں، کہاں تک صحیح تھیں، یہ ایک الگ سوال ہے۔ اس کا حل آرام کرسی

پر لیٹ کر نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک باقاعدہ تحقیق کا محتاج ہے۔
 ان تحدیدات کے ہوتے ہوئے بھی، جن نتائج پر ہم
 پہنچے ہیں، ان کو محض امتحانی سمجھنا چاہئے، کیوں کہ
 زیر بحث موضوع اور اس کی شاخیں بے حد پیچیدہ اور
 ژولیدہ ہیں۔ میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ میں نے ایک بہت
 وسیع میدان کی صرف حدود کی تحقیق کی ہے، اور
 ان راستوں کی نشان دہی کی ہے، جن پر چل کر
 آئندہ محقق مکمل تر نتائج تک پہنچ سکتا ہے۔



**Tibbi Books for
Atiba Karam**

www.facebook.com/Tibbi.Books/